بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ہماری ملی زندگی کی کتاب میں چودھویں صدی کا باب ختم ہوگیا، اور پندرھویں صدی کا پہلا ورق ہم اُلٹ چکے ہیں۔

چودہ صدیوں کی مجموعی تاریخ بہ حیثیت مجموعی ایک خدا پرست ملّت کی شاندار تاریخ ہے۔ اس میں فساد اور بگاڑ بھی طرح طرح کے آئے مگر اس کے کمالات کی بھی حد نہیں ہے۔ تاریخ کے اس لمبے چوڑے صحرا سے گذرنے والے قافلے نے زخم بھی بہت کھائے ہیں مگر اس کی فتوحات کی رفتار اور وسعت بھی بے مثال ہے۔ ان مسافرانِ جہاد کو کبھی حریفوں نے، اور کبھی یگانوں نے بسمل کر کے پٹخ پٹخ دیا ہے، مگر یہ ادھ موئے ہوکر بھی اللہ اکبر کہتے ہوئے پھر اُٹھ کھڑے ہوتے رہے اور از سرِ نو معرکہ ہائے نو بہ نو کی رونق بن جاتے رہے۔

ابتدا میں جب خدائے واحد کی دعوت دینے کا وقت آیا تو ماریں کھا کھا کر اور اذیتیں سہہ سہہ کر انہوں نے احد احد پکارا، رشتہ و پیوند کی محبتوں کو قربان کر دیا، گھر چھوڑ کے نکلنا پڑا تو در و دیوار اور اموال و املاک کو چھوڑ کر پہلے حبشہ پہنچے، پھر مدینے۔ وہاں دشمن قوت نے جنگ کے لیے للکارا تو ایک تہائی سپاہ اور قلیل اسلحہ و رسد کے ساتھ میدان میں اُتر گئے اور اس معرکہ اوّل میں ایسی فتح حاصل کی جس نے تاریخ عرب اور نظریۂ فتح و ظفر کو بدل ڈالا۔ بعد میں عرب کے اندر بھی اور عرب کے باہر بھی تمام بڑی بڑی جنگوں میں اپنی چھوٹی افواج سے بڑے بڑے قشونِ قاہرہ کو شکست دی۔ دس برس کی مدت میں پورے جزیرہ نمائے عرب کو اور ایک صدی کے اندر اندر مشرق و مغرب کی سلطنتوں کو زیر نگیں کیا۔ پھر یہ

سیلابِ انقلاب ایک طرف مکران سے ہوتا ہوا پہلے سندھ، پھر ملتان اور کشمیر اور بعدہ دلی دکن اور ڈھاکے تک جا پہنچا۔ دوسری طرف مصر اور مغرب سے چلا تو اسپین کو زیرِ نگیں کرتا جنوبی فرانس تک جا پہنچا۔ تیسری طرف فتح قسطنطنیہ کا دروازہ کھول کر اس نے ہنگری کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ چوتھی طرف بخارا و سمرقند پر جھنڈے اڑاتا وا لگا کے کنارے جا پہنچا۔ پانچویں طرف بغیر کسی فوجی قوت کے محض تاجروں کے ذریعے اپنی دعوت کے زور سے اس نے جزائر مالدیپ، سراندیپ، جزائر غرب الہند، جاوا، سماٹرا اور انڈونیشیا تک اپنی روشنی پھیلا دی۔ اور اب پروفیسر ہیری فیل (۱۹۷۸ء میں) اور ہیرز اور باہوف (۱۹۶۰ء میں) کے انکشافات کے مطابق کیلیفورنیا کی تاریخ کے مدفن سے ایسے کتبے برآمد کیے ہیں جن سے بدیہی شہادت ملتی ہے کہ کولمبس سے بہت پہلے پہلی صدی ہجری میں مسلم جہاز ران دعوتِ حق کا جھنڈا لیے بحرِ ہند اور بحرالکاہل کے راستے امریکہ کے مغربی علاقے تک جا پہنچے اور وہیں بس گئے۔

یہ اس عجیب و غریب امت کی داستان ہے جس نے کبھی دریاؤں اور سمندروں میں گھوڑے ڈال دیے اور کبھی کشتیاں خشکی پر چلوا دیں۔

ہماری تاریخ کی بہت بڑی آزمائش تاتاری حملہ تھا جس نے مرد و زن، عمارتوں، درس گاہوں، مسجدوں اور لائبریریوں کو یکسر تباہ کر دیا۔ اولاً حملہ خوارزمی سلطنت پر ہوا، پھر بڑا ریلا آیا تو عباسی سلطنت کو ختم کرتا اور بغداد جیسے مرکزِ تہذیب کو ملیامیٹ کرتا شام تک پہنچا۔ مگر اس تباہی کے بعد مصر سے ایک غلام سپہ سالار اٹھا اور اس نے تاتاریوں کو پہلی شکست دی۔ بعد میں ان کا پوری طرح صفایا کر دیا۔ یہ شخص السلطان الظاہر بیبرس کے نام سے تاریخ کے ایوان میں جلوہ گر ہے۔ ادھر تاتاریوں کی ایک شاخ کے سردار برکاخان نے اسلام قبول کر لیا اور اس کے ساتھ شاہی خاندان، دربار اور قوم کے عام لوگوں نے بھی اسلام سے رشتۂ وفا استوار کر لیا۔ اس طرح ایل خانی تاتاریوں کے خلاف خود اندر ہی سے برکاخانی قوت ابھر آئی۔ اسی طرح دوسری جانب سے صلیبیوں نے مسلمانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر شام تک کے علاقے یروشلم سمیت فتح کر لیے اور مسلمانوں کی خوب خون ریزی کی۔ مگر پہلے سلطان نورالدین زنگی نے اور پھر صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کو شکست پر شکست دے کر یروشلم اور دوسرے مقبوضات واپس لے لیے۔ اس سلسلے میں سلطان بیبرس کی بھی خدمات ہیں جس نے چھٹے صلیبی حملے کے بعد کے معرکوں کو اپنی تلوار سے روکا۔

اس ملت نے قلم ہاتھ میں لیے تو ایک طرف خطاطی اور نقش گری کے اس اوج کمال کو پہنچے کہ کتابت کو گلکاری بنا دیا اور نقاشی کے ہر خم و پیچ کو لفظوں سے زیادہ پرمعنی بنا دیا۔ ملتِ اسلامیہ کے باکمال لوگوں نے عمارتوں، صحیفوں، ظروف، پردوں اور فروش کو نقاشی سے بھر دیا۔ اسی طرح عمارتوں کی پیشانیوں اور محرابوں کو خطاطی کے مختلف نمونوں سے آراستہ کر دیا۔ دوسری طرف اس کے ایک ایک فرد نے تن تنہا ۳۰، ۳۰ جلدوں پر مشتمل کتابیں لکھیں اور اُن کے کاغذی دامنوں کو انسائیکلوپیڈیائی وسعتِ معلومات سے بھر دیا۔ انھوں نے اپنی ضرورت کے علوم خود ایجاد کیے۔ قرآن کی تفسیریں لکھیں۔ احادیث کے مجموعے مرتب کیے۔ اور اُن کے ساتھ روایت و سند کے اُصول طے کیے۔ اسماء الرجال کے نئے فن کو اس درجے کی اہمیت ملی کہ سلسلۂ روایتِ حدیث میں آنے والے ہر شخص کی علمی اور اخلاقی زندگی کا ریکارڈ جمع کر دیا۔ یہ ریکارڈ کئی ہزار اشخاص کا ہے۔ لُغت کی کتابیں لکھیں تو لسان العرب اور تاج العروس جیسے دفاترِ معنی مرتب کر دیے۔ پھر ہیئت اور ریاضی، الجبرے اور جیومیٹری، سائنس اور ٹیکنالوجی، فلسفے اور منطق پر کتابوں کے انبار لگا دیے۔ آس پاس کی تمام قوموں سے سابق مرتب شدہ علوم کو حاصل کیا۔ ان اجزا کو ملایا۔ اور پھر اپنی تخلیقی فکر سے ان میں وہ اضافے کیے کہ بالکل تازہ علوم وجود میں آگئے۔

قرآن و حدیث جو ان کے لیے مآخذِ قانون تھے، اُن کی انھوں نے محض توضیحی شرحیں ہی نہیں لکھیں بلکہ اُن کے صریح اوامر و نواہی کے علاوہ نص کے اشارات و دلالتوں سے بھی احکام کا استنباط کیا۔ پھر استنباط ہی نہیں کیا، بلکہ بدلتے حالات اور نت نئے واقعاتی مسائل پر ان کو نئے نئے طریقوں سے منطبق کر کے اجتہاد کی راہیں نکالیں۔ اور ساتھ ہی خود اجتہاد اور قیاس اور استحسان کے اصول وضع کیے اور چودہ صدیوں کے لمبے عرصے میں خدائی ضابطۂ حیات کو مجتہدانہ انداز سے طرح طرح کے احوال پر منطبق کر کے ایسی خوبی سے نافذ العمل رکھا کہ زندگی کا کوئی گوشہ اور معاشرت کا کوئی مسئلہ اس دائرے سے باہر نہیں رہا۔ سیاست، معیشت، معاشرے اور دفاع کے تمام شعبے اسلامی اصول و مقاصد کے تحت ایسی خوبی سے چلے کہ عوام کو رزق کے لحاظ سے خوشحالی، اخلاق کے لحاظ سے سلامتی، حقوق کے لحاظ سے پوری سکینت حاصل رہی۔ توحید نے انسانوں کو سچی مساوات سے مالا مال کیا۔ یہ نعمتیں ہر دور میں مختلف نظریات اور نظاموں سے لوگوں نے حاصل کرنے کے خواب دیکھے مگر جس معیار پر پورے توازن سے یہ ساری نعمتیں انسان کو اسلام نے فراہم کیں، کہیں اور سے نہ مل سکیں۔ حتیٰ کہ آج کے جمہوری دور میں بڑے سے بڑے خوش آئند چارٹر اور دلفریب اصطلاحات کا چرچا ہے، مگر ایمان، جان،

آن اور نان کی گارنٹی کہیں بھی حاصل نہ ہو سکی۔

ملتِ اسلامیہ کے شہداء علی الناس نے انقلابی جذبے سے جب چھینیاں ہاتھ میں لیں تو پتھروں میں جان پیدا کر دی، اُن کے بنائے ہوئے گنبد و مینار بولتے ہیں، اُن کے فنِ تعمیر کے عجوبے پتھروں کے لفظوں میں اعلیٰ درجے کی شاعری کے نمونے ہیں۔ وہ جہاں گئے ـــ عراق اور مصر اور اندلس اور سندھ وغیرہ میں ـــ انہوں نے نئے نئے شہر بسائے، پُل تعمیر کیے۔ پانیوں پہ بند باندھے، نہریں کھدوائیں، تالاب اور کنویں بنوائے، سریع الرفتار برید (ڈاک) کا انتظام کیا، سکے ڈھالے، صنعتیں لگائیں، تجارت کو ہاتھ میں لیا۔ سمندروں میں ہسپانیہ سے لے کر انڈونیشیا تک بحری تجارتی بیڑے چلا دیے۔ ہر جگہ کئی کئی مدرسے کھولے، بڑی بڑی یونیورسٹیاں قائم کیں۔ کئی کئی لاکھ کتابوں کے ذخیرے لائبریریوں میں جمع کیے، جہاں جہاں حکومت کی، کئی کئی بستروں کے ہسپتال کھولے اور اُن میں وارڈ بنائے۔ رصدگاہیں بنوائیں، ستاروں کی رفتاریں دیکھنے کے لیے انہوں نے ابتدائی قسم کی دُوربینیں ایجاد کیں، علاقوں کی پیمائش کرائی، پانیوں کی گہرائی دریافت کی، ستاروں کی رفتاروں اور منازل کے حساب کیے، جغرافیائی نقشے مرتب کیے، کرۂ ارضی کا نمونہ وضع کیا، کیمیاوی تجربات کے میدان میں دُور دُور تک تگ و تاز کی، ہوا اور پانی کے ذریعے چلنے والی کئی مشینیں اور گھڑیاں تیار کیں ـــ بارود کو جنگ میں استعمال کرنے کے لیے آلات بنائے۔ غرض ضروریاتِ زندگی نے جدھر سے پکارا اُدھر ہی وہ موجدانہ ذہن لے کر متوجہ ہو گئے۔ جڑی بوٹیوں کی تاثیرات معلوم کیں۔ انہوں نے علم البصریات ایجاد کیا ـــ عینک سازی کا آغاز بھی کیا۔

انہوں نے امتحانی شیشیوں اور نلکیوں کو ہاتھ میں لیا تو دھاتوں کی صفائی اور تکلیس کے تجربات کیے، نمک، شورے اور گندھک کے تیزاب بنا لیے۔ القلی کی ماہیت دریافت کی، الکحل تیار کی، اور طبی فارماکوپیا کی کثیر التعداد دوائیں تیار کر دیں۔ اور یہی فارماکوپیا عرصۂ دراز تک یورپ کی طبی درسگاہوں اور شفاخانوں میں رائج رہا۔ اور آج بھی مسلمانوں کی دریافت کردہ بنیادی دواؤں کی خاصی تعداد جدید ترین فارماکوپیا میں شامل ہے۔

انہوں نے نشتر ہاتھ میں لیا تو خراب شدہ اعضاء پہ جراحی کر کے انسانوں کو تکالیف سے نجات دلائی، جراحی کے لیے مریض کو بیہوش کرنے کا طریقہ نکالا اور کلوروفارم کا استعمال کیا، زخموں کے لیے مرہم ایجاد کیے۔

زخموں کے بگاڑ پر کاوش کرتے کرتے وہ نظریہ جراثیم تک پہنچ گئے۔ قسطنطنیہ میں چیچک کا ٹیکہ ایجاد کیا۔ انہوں نے اپنے ہاں کے نو ہندسوں کے ساتھ ہندوستان کا صفر ملا کر اعشاری نظامِ اعداد مکمل کیا۔ الجبرا کی ایجاد کی جس کے بغیر ہیئت اور سائنس میں کام آنے والی ریاضی کام نہیں کر سکتی۔ انہوں نے علمِ مثلثات میں دریافتیں کیں اور جیومیٹری میں خطِ مماس کا استعمال کیا۔

اپنی یہ ساری متاعِ علم انہوں نے ہسپانیہ اور اندلس کی یونیورسٹیوں میں سرِ عام رکھ دی۔ ان کے سامنے قرونِ وسطیٰ کا تاریک یورپ تھا جس کو نہ کھانے کی تمیز تھی، نہ پہننے کی اور نہ رہن سہن کی، جنگلی زندگی بسر کرنے والے لوگ جنہیں مسلمانوں نے رُوٹی اور کریاسی یا رچات اور شکر جیسی چیز سے آشنا کیا اور جو پادریوں کے عنادِ علم کے محبس میں ہر عقلی اور علمی کوشش پر "صلیبی مذہبی عدالتِ جبر" سے مرنے اور جلنے کی سزا پاتے تھے، انہیں ملّتِ اسلامیہ نے نہ صرف کھانا پہننا سکھایا، اور مساواتِ انسانی کا درس دیا بلکہ اُن میں سے جتنی تعداد مسلم یونیورسٹیوں میں آنے لگی اُن سب میں اپنے علوم کے خزانے لٹا دیے۔ اُنہیں ڈاکٹر، طبیب، کیمیا دان، ہیئت دان، ریاضی دان بنا دیا۔ انہی یونیورسٹیوں سے وہ اپنے تاریک معاشروں کے خلاف بغاوت کا ایک جذبہ بھی لے کے گئے۔ جس نے ایک طرف اصلاحِ مذہب (REFORMATION) کی تحریک اور دوسری طرف تجدیدِ علوم (RENAISSANCE) کی تحریک کی شکل اختیار کی۔ بعد میں اسی بیداری کے نتیجے میں برطانوی، فرانسیسی اور امریکی انقلاب رُونما ہوئے۔

مگر یورپ کے متعصب پادریوں نے نہ صرف رسولِ خدا کے خلاف بدگوئی کی ایک تحریک چلائی، بلکہ مسلمانوں سے علوم اور ثقافت اخذ کرنے والوں کے خلاف فتوے بھی لگائے۔ مسلمانوں کی نہایت ہی بُری تصویر اپنے خطبوں میں کھینچی۔ خود اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کی ایسی دھواں دھار پیدا کر دی کہ لوگوں کے سر چکرا گئے۔ مسلمانوں کے خلاف متعصبانہ نفرت پیدا کرنے کے جواب میں اُن کے لیے ممنونیت کے جذبات کو بر سرِ عمل آنے سے روکنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترقی و بیداری کا رشتہ مبدءِ یونان سے ملا یا گیا اور بیچ میں مسلمانوں کے کئی صدیوں کے علمی اور سائنسی اور ثقافتی حصّے کو غائب کر دیا گیا۔ اس طرح مغرب کا دَورِ جدید خدا پرستی کے بجائے لادینیت کی طرف مڑ گیا۔

احسان فراموشی کی انتہا یہ ہے کہ مسلمانوں کی متعدد کتابوں اور ایجادات کو یورپ کے مفروضہ ناموں سے

منسوب کر دیا گیا۔ اور بعض مسلمانوں کے ناموں کو مغربی زبانوں میں ایسا تلفظ دیا گیا کہ خاص خاص ذی فہم لوگوں کے سوا کوئی انہیں مسلمانوں کے نام نہ سمجھے گا۔ قابل تعریف ہیں وہ دو چار مصنفین مغربی جنہوں نے حقائق سے پردہ اٹھا دیا، اور مسلمانوں کے احسانات کا پورے زور سے اعتراف کیا۔

اِس ملت کے معیاری دَور میں جن ہستیوں کو مُہر حکومت تفویض ہوئی اُنہوں نے چٹائیوں پر بیٹھ کر اور پیوند لگے کپڑے پہن کر آج کل کے کلرکوں اور چپڑاسیوں کی تنخواہوں کے برابر وظیفے لے کر ایک بڑی سلطنت کامیابی سے چلائی جس کا رقبہ دَورِ فاروقی میں (ف محرم ۲۴ھ) پچیس لاکھ مربع میل تھا۔ اُس درویش منش فرمانروائے عظیم کا حال یہ تھا کہ کبھی وہ دروازوں پر جا جا کر مجاہدین کی مستورات کے خطوط لکھتا ہے اور محاذ پر روانہ کرتا ہے۔ کبھی وہ بیت المال کے اُونٹوں کو تپتے صحرا میں ہانکتا یا مالش کرتا نظر آتا ہے، کبھی ایک بھوکے مسافر کنبے کے لیے رات کو سامانِ غذا کا بورا پیٹھ پر لاد کر مدینے کے باہر جا پہنچتا ہے، اور اسی فرمانروا کے عزیز صاحبزادے سے جرم سرزد ہوتا ہے تو اپنے ہاتھ سے اُس کی پیٹھ پر کوڑے برساتا ہے۔ اس میں ایسے ایسے گورنر پیدا ہوئے جنہوں نے دو درہم روزانہ پر کام کیا۔ اس کے علاقائی امیروں کے لیے لازم تھا کہ وہ چوکی پہرے کے بغیر اپنے دروازے ہر شہری اور فریادی کے لیے کھُلے رکھیں۔ اس سلطنت میں پیدا ہونے والے ہر فرد، حتیٰ کہ ہر نومولود بچے کو وظیفہ ملتا تھا اور سب کی کفالت کی ذمہ داری حکومت پر تھی۔ اس سے پہلے کے درویش حکمران نے قانونِ ادائے زکوٰۃ سے انحراف کرنے والوں اور مرتد ہونے والوں کے خلاف مشکل حالات میں سپاہیوں کو جہاد پر بھیجا۔ ان حکمرانوں کی رائے سے ہر شخص اختلاف کر سکتا تھا؛ اُن کے معاملات پر تنقید کر سکتا تھا، سرکاری حسابات اور اُن کی آمدنیوں اور مصارف کا محاسبہ کر سکتا تھا۔

ایسی حکومت کی کامیابی کا ایک لازمی تقاضا شہریوں کی پابندیٔ ضبط و نظم تھا، اور شہری ایسے تھے کہ انہیں تحویلِ قبلہ کا حکم حالتِ نماز میں ملا تو انہوں نے فوراً اپنے رُخ بدل لیے اور کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔ سُود کی بندش کا حکم آیا تو مالی معاملات میں سُود کا شائبہ بھی انہیں گوارا نہ رہا۔ شراب حرام کی گئی تو انہوں نے شراب کے ذخیرے لنڈھا دیے اور ظروف توڑ دیے۔ عورتوں کو زینت چھپانے کا حکم دیا گیا تو پیغمبر کی زبان سے وحی کی آواز سُنتے ہی عورتوں نے فوراً سروں اور چہروں کو ڈھانپ لیا۔ اس ...

کو جب خواتین کا دائرہ عمل حضورؐ نے بتا دیا تو پھر انہوں نے کبھی "دوش بدوش ترقی" کے خواب نہیں دیکھے۔ بعض شہریوں سے گناہ سرزد ہو گئے تو وہ فوراً آ کر اقراری ہوئے اور تقاضا کیا کہ ہم پر سزا نافذ کی جائے۔ احکام خدا و رسولؐ میں کوئی اختلافی بحثیں نہ ہوئیں۔ اور کوئی اپوزیشن نمودار نہ ہوئی۔ پوری قوم متحد رہ کر چلی۔

خدا پرستانہ حکومت کا یہ معیاری اور نمونے کا دور حضرت علیؓ کی وفات (۴۰ھ) اور حضرت حسن کی دست برداری پر ختم ہو گیا اور بعد میں طرح طرح کی خرابیاں ظاہر ہوئیں۔ مگر پھر بھی دورِ اوّل کی چمک دمک اس وقت تازہ ہو جاتی رہی جب ہر دو چار حکمرانوں کے بعد کوئی سلطانِ عادل نمودار ہوتا ــــ دوسرے حکمران بھی ایسے تھے کہ ان میں اگر کسی پہلو سے خرابیاں ہوتیں تو کسی دوسرے پہلو میں قرونِ اولیٰ کی روایات کا اثر ظاہر ہونے لگتا۔ خصوصیت سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، سلطان صلاح الدین اور شاہ اورنگ زیب عالمگیر کے ادوار انتہائی روشن ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی متعدد قابل قدر سلاطین ہیں جنہوں نے اچھی مثالوں اور روایتوں کو تازہ کیا۔ علماء کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے علم دین کی سلطنت کو حکومت کے دخل سے آزاد رکھا۔

ملتِ اسلامیہ کے قاضی عدل کی ترازو ہاتھ میں لے کر بیٹھے تو وہ جس طرح عام شہری کو طلب کرتے تھے اسی طرح اگر خلیفہ مدعی یا مدعا علیہ ہوتا تو اسے بھی بلا کر فریق ثانی کے برابر کھڑا کرتے اور اپنا فیصلہ نائب خدا کی حیثیت سے دیتے۔ خواہ وہ حکمران کے خلاف ہی کیوں نہ پڑے۔ سیاسی حالات میں بگاڑ آنے کے بعد بھی بیشتر قاضیوں نے عدل کی شاندار مثالیں بغداد اور اندلس اور مصر اور ہندوستان میں قائم کیں۔ راست باز قاضیوں کو اگر اقتدار کی طرف سے رخنہ اندازی سے سابقہ پیش آتا تو وہ مستعفی ہو جاتے۔ اور کسی سلطانِ جائر کے نظامِ عدل میں کوئی دیانت دار فقیہ یا قاضی ہزار ترغیب و ترہیب کے باوجود شرکت نہ کرتا۔

ملتِ اسلامیہ کی ایک خصوصیت چودہ صدیوں میں یہ نمایاں رہی ہے کہ انہوں نے اقلیتوں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کیا، ان کی حفاظت کی، ان کو وظائف دیے اور ان کو زیادہ سے زیادہ حقوق انسانی سے بہرہ مند کیا۔ اس معاملے میں مدینہ کی حکومت کا جو طرزِ عمل رہا، اس کا ریکارڈ فرمانوں اور معاہدات اور گورنروں اور عاملوں کو دی ہوئی ہدایات کی شکل میں محفوظ ہے۔ بعد میں بغداد کی حکومت ہو یا مصر، اندلس، ترکی اور ہندوستان کی، ہر جگہ اقلیتوں سے ایسا معاملہ کیا گیا کہ کوئی دوسری (باقی اشارات بر صفحہ ۶۲)